مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

منشورِ اسلام

(۸)

گناہ کی مقدار

اخلاقی اور روحانی اعتبار سے غلطیاں بڑی بھی ہوتی ہیں اور چھوٹی بھی۔ ان کی کمیت کا تعیّن اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ خودی کو کتنا آلودہ کرتی ہیں اور منفی طور پر اس کو کتنا متأثر کرتی ہیں۔ کوئی گناہ یا معصیت خواہ بہت چھوٹی ہو، اگر مسلسل کی جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ خودی کے ارتقاء کو زک پہنچائے۔ خودی کی محبّتِ حسن جوں جوں بڑھتی ہے غیر اخلاقی کام اس کی زندگی سے کم ہوتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ ان کا صدور بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس سطح پر صحیح نصب العین اور اس کی محبّت مومن صادق کے شعور پر مکمل طور پر غلبہ پالیتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر اسے غلط افکار و اعمال سے اجتناب میں چنداں محنت نہیں کرنی پڑتی۔ بلکہ فطری طور پر اور نہایت سہولت کے ساتھ صرف اخلاقی اور نیک اعمال ہی کا صدور ہوتا ہے۔ غیر اخلاقی اور غیر مستحسن افعال کا ظہور اسی لیے ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کا جذبۂ محبت وقتی طور پر غلط سمت پر پڑ جاتا ہے اور اسے اپنے محبوبِ حقیقی کی رفعتِ شان کا پورا ادراک نہیں ہوتا۔

غلط افکار کے منابع

صحیح نصب العین کے ساتھ متصادم باطل افکار کا منبع قوی عادات ہیں یا منہ زور جبلتیں۔

(ل) عادات: جب تک ایک شخص غلط نصب العین کے دامِ الفت میں اسیر ہے، اس

کی پوری زندگی اس کے زیرِ اثر رہتی ہے۔ نتیجتاً وہ فکر و عمل کی ایسی عادات متشکل کر لیتا ہے جو رفتہ رفتہ بہت پختہ ہو جاتی ہیں اور اس غلط نصب العین کی مقصد براری کرتی ہیں اور اپنی قوت کے بل پر اس شخص کے جذبۂ محبت کو سہارا دیتی ہیں۔ یہ عادات اس کے گلے کا ہار بن کر اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں خواہ اس کی فطرتِ سلیم کی کچھ رمق ابھی باقی ہو حسن اور صحیح نصب العین کا شعور حاصل ہو جانے اور اس کی محبت کا وعدہ کر لینے کے باوجود یہ عاداتِ خبیثہ اس کے ذہن و عمل کو اپنی گرفت میں رکھتی ہیں۔ ان سے چھٹکارا بلا واسطہ تصادم سے نہیں بلکہ ان کی جگہ ایسی عادات بنا لینے سے ہوتا ہے جو صحیح نصب العین کے مطابق ہوں۔ جوں جوں نئی صالح عادات گہری ہوتی جاتی ہیں، یہ پرانی غیر صحت مند عادات کی جگہ لے لیتی ہیں یہاں تک کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے نظامِ عبادات میں باقاعدگی اور بر وقت عمل پر انتہائی زور دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النساء:۱۰۳)

ترجمہ: بیشک نماز مسلمانوں پر پابندیِ وقت کے ساتھ فرض ہے۔

اسی مضمون پر مشتمل مندرجہ ذیل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَدْوَمُهَا (الحدیث)

ترجمہ: بہترین نیک عمل وہ ہے جسے پابندی اور باقاعدگی سے کیا جائے۔

جب ایک مومنِ صادق صحیح اور مطلوب عادات تشکیل دے لیتا ہے تو یہ عادات اس کی پوری عملی زندگی کا احاطہ کر لیتی ہیں اور وہ از خود محسوس کرتا ہے کہ اسے نہ صرف اپنی جملہ مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر اپنے حقیقی محبوب کی پرستش کرنی ہے بلکہ اپنی پوری زندگی کے تمام گوشوں میں اخلاقی ضابطے کی بھی پابندی کرنی ہے۔ جس طرح باطل عادات باطل محبت کا سہارا بنتی ہیں، اسی طرح عاداتِ محمودہ صحیح محبت کو برقرار رکھنے میں ممد ہوتی ہیں۔ ایک خاص کام کو بار بار کرنے سے اس میں ایک گونہ سہولت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ کام از خود اور شعوری کوشش کے بغیر انجام دیا جا سکتا ہے۔ فطرت کا یہ قانون انسان کی زندگی میں بہت کار آمد ہے۔ اس سے زندگی کے وہ گوشے بھی اخلاقی ضابطے کے تحت لائے جا سکتے

ہیں جن کے بارے میں ابھی فرد نے عادت صحیحہ استوار نہیں کی۔ جب تک عادات خبیثہ کا مکمل خاتمہ کر کے ان کی جگہ نیک عادات پوری طرح قائم نہیں ہو جاتیں، صحیح نصب العین کے لیے جذبۂ محبّت کامل نہیں ہو سکتا۔

(ب) جبلتیں: وہ باطل افکار و خیالات بالخصوص بہت تیز و تند ہوتے ہیں جن کا منبع مختلف جبلتیں ہوتی ہیں مثلاً خورد و نوش کی جبلت، جنسی جذبہ، جارحیت پسندی، خود تحکمی وغیرہ وغیرہ کیونکہ خاص طور پر وہ جبلتیں جن کا ہدف فرد اور نسل کی صیانت ہوتا ہے، بہت قوی ہوتی ہیں ان کے پس پردہ ایک قسم کا حیاتیاتی جبر کارفرما ہوتا ہے اور اسی لیے ان کی تکمیل ایک مخصوص لذّت کا باعث بنتی ہے۔ صحیح نصب العین کے لیے محبّت کی عدم موجودگی میں ہم اپنی جبلّی خواہشات کی لذّت سے اتنے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ہم اسی لذّت کو تمام حسن و عظمت کا محور قرار دے لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ خواہشات ہی ہمارا مطمع نظر اور ہدف یا نصب العین بن جاتی ہیں اور صحیح اور سچے نصب العین کے لیے مختص محبّت بھی انہی خواہشات کی تکمیل کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ یہ تمام جبلتیں فی نفسہٖ غلط نہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ انہیں حدِ اعتدال کے اندر رکھا جائے۔ اور انہیں اسی حد تک پورا کیا جائے جس حد تک یہ صیانت ذات کے لیے ناگزیر ہیں لیکن جب یہ خواہشات اور ان سے حاصل شدہ لذّت اپنی جائز حدود سے تجاوز کر کے انسان کے ذہن و قلب پر پورے طور پر مستولی ہو جائیں تو پھر انسان حیوان کی سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ کیونکہ جانور بھی انہیں اپنی حیاتیاتی ضرورت سے زیادہ پورا نہیں کرتا۔ ایسے انسانوں کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط (الاعراف: ۱۷۹)

ترجمہ: وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ

ان انسانوں کا نصب العین اور الٰہ ان کی خواہشات ہوتی ہیں:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط (الفرقان: ۴۳)

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفس) کو اپنا معبود بنا لیا ہے

صاحبِ ایمان کا ایک اہم عمل۔ مجاہدہ مع النفس

ایک ایسے شخص کو جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اپنی خود شعوری اور ایمانی کیفیات کی ترقی کے ابتدائی مراحل میں خواہشات اور مرغوبات نفس کے ساتھ کشاکش کا سخت تجربہ ہوتا ہے۔ ان خواہشات کو اپنی جائز حدود میں مقید رکھنا اور صحیح نصب العین کے ساتھ عقیدت و محبّت کے جذبات کی نشوونما محنت طلب امر ہے۔ اسے اپنی جبلّی خواہشات کو نہ صرف کنٹرول کرنے بلکہ انہیں دبانے کی اس حد تک مشق ہونی چاہیے کہ وقت آنے پر اور ضرورت کے پیش نظر اپنے عشق کی خاطر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان کا نذرانہ بھی پیش کر سکے۔ اس صورتِ حال سے وہ ہر اس لمحے میں دوچار ہوتا ہے جب اسے اپنے نصب العین کے مخالف اعمال کا سامنا ہوتا ہے یا جب اسے جہاد فی سبیل اللہ میں بھوک پیاس اور دیگر تکلیف برداشت کرتے ہوئے حصّہ لینا ہوتا ہے اور جس میں وہ اپنی جان تک قربان کر دینا عین سعادت سمجھتا ہے۔

روزہ (صوم) کی اہمیّت

جبلّی و نفسانی خواہشات اور تقاضوں کے ساتھ کشمکش آسان امر نہیں لیکن ایک صاحبِ ایمان کی ان کے خلاف مسلسل کوشش اسے آسان بنا دیتی ہے۔ چونکہ وہ معصوم نہیں ہوتا اس لیے اس سے غلطی و گناہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ ہر بار اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر اس سے رجوع کرتا ہے اور پہلے سے زیادہ عزم و ارادہ کے ساتھ اپنے نصب العین کی طرف مثبت پیش قدمی کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ عبادات اس داخلی کشمکش میں ثابت قدمی کی مشق بہم پہنچاتا ہے۔ بالخصوص سال میں ایک بار مسلسل ایک ماہ کے روزے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دن کے اوقات میں ایک ماہ کے روزے اسے اپنی نفسانی خواہشات کو کنٹرول اور دبانے کی خوب تربیت دیتے ہیں۔ جوں جوں وہ روزے کے ذریعے اپنے نفس کی گرفت کو ڈھیلا کرتا ہے۔ اسی قدر حسنِ ازل کے ساتھ حقیقی محبّت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ چنانچہ وہ جس حد تک اپنے نفس کے تقاضوں کو دبا سکتا ہے، اسی قدر نصب العین کے ساتھ محبّت بڑھ سکتی ہے۔

روزے سے حاصل کردہ روحانی ترفع زندگی میں ہر لمحے شیطانی وسوسوں کے خلاف زبردست ڈھال کا کام کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے نفس پر مکمل قابو پاکر اپنے نصب العین کے حصول میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ اور اخروی کامیابی سے بھی ہمکنار ہوتا ہے۔ سفلی جذبات کے چنگل سے نکل کر ہی ایک صاحبِ ایمان اس ذہنی و قلبی کیفیت کا احساس کرسکتا ہے جس میں وہ ہر طرف سے یکسو ہوکر حسنِ ازل سے رشتۂ محبّت استوار کرتا ہے۔ یہ ذہنی و قلبی سکون صرف انہی سعید رُوحوں کو ملتا ہے جو بالآخر اپنے رب کے انعام یعنی جنّت الفردوس کو پاتے ہیں:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (السجدة: ۱۷)

ترجمہ: توکسی متنفّس کو علم نہیں کہ کیسا کیسا آنکھوں کی ٹھنڈک (کا سامان) ان کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے۔ یہ ہے صلہ ان کے (نیک) اعمال کا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۗ (النّٰزعٰت:- ۴۰-۴۱)

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور پیشی سے ڈرا ہو اور اُس نے (اپنے) نفس کو (بُری) خواہشات سے روکا ہو، تو یقیناً بہشت ہی اس کا ٹھکانا ہے

پروفیسر جیمز نے اخلاقی عمل کی تعریف ہی یُوں کی ہے کہ یہ وہ عمل ہے جسے سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خودی کے ارتقائی مراحل میں وہ مرحلہ بھی آتا ہے جب اخلاقی عمل کو کم سے کم مزاحمت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صحیح نصب العین کے ساتھ محبّت کا دعویٰ عمل کی دنیا میں ہی پرکھا جاتا ہے اور اگر یہ جذبہ صادق ہو تبھی اس میں اعلیٰ مدارج کے حصُول کی صلاحیّت ہوتی ہے۔ سفلی اور نفسانی خواہشات کے علی الرغم اخلاقی عمل کو کامیابی سے انجام دینا ہی انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ صحیح نصب العین کے ساتھ اپنی محبّت کو پروان چڑھا سکے۔ مشکلات میں صبر و مصابرت انسان کو خواہشات کے مقابلے میں نصب العین کو ترجیح دینے کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ

اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (البقرۃ : ۴۵)

ترجمہ : اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو ! اور البتہ یہ شاق ہے مگر ان پر (نہیں) جو عاجزی کرتے ہیں۔

صبر کے ساتھ ساتھ اب کریم کے حضور میں دعا و مناجات سے ایک فرد روحانی ارتقا میں حائل موانع اور مشکلات پر قابو پا سکتا ہے۔ شیطان کے وساوس ہر دم اس کا پیچھا کیے رہتے ہیں۔ اور اس صورت میں وہ صرف صبر اور نماز کے ذریعے ہی اپنے نصب العین کی طرف استقامت کے ساتھ گامزن رہ سکتا ہے۔ قرآن مندرجہ ذیل آیات میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرۃ : ۱۵۵-۱۵۶)

ترجمہ : اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مال وجان اور پیداوار کے کچھ نقصان سے۔ اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ذہنی صحت کو برقرار رکھنے کا طریقہ

غلط خیالات و تصوّرات کی فتح نہ صرف ایک فرد کی نصب العین کے ساتھ عشق و محبّت کو نقصان پہنچاتی ہے، وہ اسی کی ذہنی صحت کے لیے بھی مُضر ہے۔ متعدد اعصابی عوارض (مثلاً ہسٹریا، پریشانی، وہم، خبط اور پاگل پن وغیرہ) کا سبب مریض کے خیالات و خواہشات و اس کے نصب العین میں تصادم ہوتا ہے۔ جب ایک باطل خیال اس کے ذہن پر چھا جاتا ہے اور وہ اس کے مطابق عمل بھی کر لیتا ہے۔ تو اگرچہ اسے اپنی وقتی نفسانی خواہش کی تکمیل پر ایک گونہ لذّت کا احساس ہوتا ہے لیکن فوراً بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے

صحیح نصب العین سے دُور ہٹ گیا ہے۔ اس پر سخت ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے اور بعض اوقات احساسِ گناہ کی شدّت اس میں ذہنی تصادم اور شکستگی کی کیفیّت پیدا کر دیتی ہے۔ صدقِ دل کے ساتھ کی گئی توبہ ہی اس صورتِ حال کا صحیح واحد حل ہے۔ سچّی توبہ ہی ذہنی تصادم اور اس کے اثرات کو رفع کر سکتی ہے لیکن اگر ایک صاحبِ ایمان روحانی ترفع کے اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے جہاں وہ شیطانی وسوسوں میں گرفتار نہیں ہوتا، تو وہ ان تمام ذہنی عوارض سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

عشقِ الٰہی یا خود آگہی کے ارتقاء کی کوئی انتہا نہیں

انسانوں میں محبّت کی صلاحیّت مختلف ہوتی ہے۔ بعض دُوسرے کوائف یکساں ہوں تب بھی اس کا انحصار کسی فرد کی ذہانت پر ہوتا ہے۔ اعلیٰ ذہنی سطح کے لوگوں کو حسنِ ازلی کی جستجو بہت شدید ہوتی ہے اور وہ اس سے ہر چاہت سے زیادہ جذباتی اور گہری محبّت کر سکتے ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان شخص کو اپنی فطری صلاحیّت کے مطابق جذبۂ عشق کو بڑھانا چاہیے۔ جب تک اس کا پورا عمل نصب العین کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہو جاتا، اسے سمجھنا چاہیئے کہ اس کے قلب و ذہن میں ابھی باطل نظریات کا اثر ہے اور وہ اس کے عمل اور جذبۂ محبّت کے کچھ حصّے پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ اور یہ کہ اسے ابھی مسلسل اپنے جذبۂ محبّت اور عمل کو صحیح نصب العین کے لیے خالص کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی فرد کے حُبِّ الٰہی کا جذبہ اس دنیاوی زندگی میں خواہ کتنا ہی بلند مقام حاصل کر لے، یہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ اس نے خالقِ حقیقی کے حسن کا کما حقہٗ ادراک حاصل کر لیا ہے۔ اس جذبہ و شوق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ اور کسی سطح پر بھی ایک مومن یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے آخری حد کو چھُو لیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قول مبارک ہے۔

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (حدیث)

ترجمہ: ہم تجھے پہچان نہ سکے۔ جیسا کہ تیری پہچان کا حق ہے۔

جسمانی موت کے بعد بھی خودی کا ارتقا جاری رہتا ہے

یہی وجہ ہے کہ ایک مومن صادق کی محبّتِ الٰہی میں موت کے بعد بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ جسم کی تخلیق خودی کی خلاقی کا مظہر ہے نہ کہ جسم سے خودی وجود میں آتی ہے، خودی جسمانی موت کے بعد کسی قسم کے تعطل یا عدم وجود کا شکار نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ اگلی زندگی میں بھی اپنی فطری بنیادی خصوصیت کے ساتھ باقی رہتی ہے یعنی حسن ازلی کی تلاش اور اس سے محبّت۔ چنانچہ یہ روحانی ارتقا، حیات بعد الممات میں بھی جاری رہتا ہے اور نورِ الٰہی سے کسبِ نور کا عمل بھی ختم نہیں ہوتا۔ صاحب ایمان حضرات اگلی زندگی میں خدا سے دعا کریں گے کہ وہ ان کی خود آگہی کا نور مکمل کر دے اور ان سے وہ موانع دُور کر دے جن کی وجہ سے وہ اپنی پہلی زندگی میں روحانی بالیدگی مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے۔ وہ اپنی ان بداعمالیوں پر اللہ کی جناب میں نادم ہوں گے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں حسن ازلی کے ساتھ محبت کا حقہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کی دعا یہ ہوگی :-

رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡلَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝

(التحریم : ۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیئے کامل کر دے اور ہماری مغفرت فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مومن صادق کی اُخروی زندگی

لیکن وہ مومن صادق جو صحیح نصب العین کے لیے اپنا جذبۂ عشق و محبّت اس دنیا میں آخری حد تک بڑھا سکا اور موت تک اسے برقرار بھی رکھ سکا۔ حیاتِ اخروی میں اسی جذبۂ محبّت کے مزید ارتقاء میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرے گا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں اس نے اپنے نفس اور شیطان کے تمام وساوس پر قابو پالیا تھا، اس لیے اب آخرت میں اسے مزید تگ و دو نہیں کرنی۔ حیات دنیوی میں کی گئی محنت سے اس نے وہ نور کما لیا ہوگا جو حیات بعد الممات

کے مراحل میں اس کے کام آئے گا اور اس کے آگے اس کا راستہ منور کیے رکھے گا۔ وہ بغیر کوشش کے باری تعالیٰ کے نئے جلوے ہر دم ملاحظہ کرے گا:

يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (الحدید: ۱۲)

ترجمہ: اُن کا نور اُن کے آگے آگے دوڑتا ہوگا۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ط (الحدید: ۱۹)

ترجمہ: اُن کے لیے اُن کا اجر اور اُن کا نور ہے۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (التحریم: ۸)

ترجمہ: اُن کا نور اُن کے آگے دوڑتا ہوگا۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج (التحریم: ۸)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہماری مغفرت فرما۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حزن اور خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کو حزن اس وقت ہوتا ہے جب اسے اس کی مطلوبہ شے نہ ملے اور خوف اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو مقررہ معیار پر آتا نہ دیکھے۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں انسانی خودی کی اصل اور بنیادی خواہش ایک ہی ہے اور وہ خواہش حسنِ ازلی کے حصول کی ہے۔ چنانچہ جب اس خواہش کے لوازم دنیوی زندگی میں مسلسل پورے کرتے ہوئے ایک فرد اگلی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کی روح اس منزل کی تمام سختیاں جھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اسے کسی قسم کے حزن یا خوف سے واسطہ نہیں ہوتا:

اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۷۰)

ترجمہ: کہ اُن پر نہ تو کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

درحقیقت جنت کی تمام نعمتوں اور ان سے لطف اندوزی کا انحصار اپنی کیفیات پر ہے۔ ایک گناہ گار بندے کا معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ چونکہ وہ دنیوی زندگی میں اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی خودی کی تعمیر نہیں کرتا بلکہ معصیتوں اور سیاہ کاری میں ملوّث ہو کر اپنی خودی کو آلودہ کر لیتا ہے۔ اس لیے آخرت میں بھی اسے سخت حزن و خوف سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر وہ پہلی زندگی

میں معصیتوں کے ارتکاب کے بعد توبہ (اپنی تمام شرائط کے ساتھ) کرکے اپنے گناہوں کا ازالہ کرلیتا ہے تو بات دوسری ہے۔ ورنہ اسے اگلی زندگی میں ان کا کفارہ بھرنا پڑتا ہے۔ اور جب تک وہ اس سخت تکلیف دہ مرحلے سے گزر کر اپنی خودی کو آلودگیوں سے پاک نہیں کرتا، اس کا روحانی ارتقاء رکا رہتا ہے۔ آخرت میں خودی کی تطہیر کا عمل انتہائی مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دوزخ کے عذاب کی مختلف شکلیں اور ان کی تفصیلات اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

(جاری ہے)

oooooooo

بقیہ: نقطہ نظر

عالمی ذرائع ابلاغ اسلامیہ کا قیام غیر اسلامی ممالک اسلام کے متعلق جو معاندانہ پروپیگنڈہ مسلسل کرتے رہتے ہیں اس کا جواب دینے اور تبلیغِ اسلام کا صحیح اور مؤثر طور پر حق ادا کرنے کے لیے تمام جدید ذرائع ابلاغ کو استعمال میں لایا جانا چاہیئے تاکہ اسلام کی اشاعت اور پھیلاؤ میں آسانی پیدا ہو۔

اس کے علاوہ عالم اسلام کو قریب تر لانے کے لیے تمام اسلامی ممالک میں ایسے پروگراموں کو نشر کرنے کا انتظام کیا جانا چاہیئے جو کہ تمام اسلامی ممالک کا صحیح صحیح حال اندرونی صورتحال اور کلچر وغیرہ سے دوسرے اسلامی ممالک کو روشناس کرائیں۔

عربی زبان کی ترویج اسلام کے صاف اور شفاف سرچشمے قرآن و حدیث کی زبان عربی زبان ہے اسلامی ممالک کے سربراہوں کو اس امر کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ ہر مسلمان کی رسائی براہِ راست اس سرچشمے تک ہو سکے اس سے نہ صرف اتحادِ امت کی جڑوں کی آبیاری ہو گی بلکہ باہمی تعلقات کے لیے ایک بنیادِ مشترک بھی فراہم ہو جائے گی۔

ہمارے نزدیک اتحاد امت کی یہ حقیقی بنیادیں ہیں اور عملاً اتحاد کے لیے کرنے کے یہ کام ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت کو اتحاد کی یہ بنیادیں جلد از جلد امت کے طبقات بالخصوص سربراہانِ مملکت اس طرف توجہ دیں اور یہ عملی اقدامات کرکے امتِ مسلمہ کو دنیا میں فیصلہ کن خدائی طاقت بنا دیں۔ آمین۔